41

مسلمانوں کو فتنہ و فساد سے بچنا چاہئے

(فرمودہ 8 نومبر 1946ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"میری طبیعت تو چند روز سے علیل ہے لیکن مَیں اپنے نفس پر جبر کر کے جمعہ پڑھانے کے لئے آ گیا ہوں۔ مجھے کئی دنوں سے پیچش کی تکلیف ہے۔ یوں اسے پورے طور پر پیچش بھی نہیں کہا جا سکتا بلکہ وہ ایک نئی طرز کی بیماری معلوم ہوتی ہے اور عام طور پر دوسرے لوگ بھی شکایت کرتے ہیں کہ انہیں یہ تکلیف ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ تکلیف وبائی رنگ اختیار کر گئی ہے۔ پیچش میں تو انسان کو جلدی جلدی اجابتیں ہوتی ہیں مگر اس مرض میں گلے سے لے کر انتڑیوں تک تمام جگہ زخمی اور ماؤف معلوم ہوتی ہے۔ پیٹ میں درد کے دورے اٹھتے ہیں اور معدہ میں تشنّج ہوتا ہے۔ غرض یہ ایک نئی قسم کی مرض ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر پھیل رہی ہے کیونکہ پچھلے دنوں آٹھ دس دوستوں کی طرف سے متواتر یہ اطلاع آئی ہے کہ انہیں پیٹ درد اور انتڑیوں کی خرابی کی تکلیف ہے۔ مَیں نے یہ ذکر اس لئے کیا ہے کہ وبائی امراض کا اگر قبل از وقت خیال رکھا جائے تو ان سے بچنے کا موقع مل جاتا ہے۔ دوسرے وہ دوست جن کو خدا تعالیٰ نے اس مرض سے محفوظ رکھا ہوا ہے اُنہیں چاہئے کہ وہ آجکل غذا میں پرہیز رکھیں اور زیادہ تر نرم غذا استعمال کریں۔ اِسی طرح جو استعمال کر سکتے ہوں وہ روزانہ سبوس اسپغول، شربت بنفشہ سے پھانک لیا کریں۔ اس سے انتڑیاں صاف ہوتی ہیں اور درد سے افاقہ رہتا ہے۔ درحقیقت یہ نزلہ کی علامت ہے جو معدہ پر گرتا ہے اور نزلہ میں

حضرت خلیفہ اول ہمیشہ سبوس اسپغول، شربت بنفشہ اور عرق بادیان استعمال کراتے تھے اور ہم نے اس کا استعمال اکثر مفید پایا ہے۔

اِس کے بعد مَیں خطبہ کے مضمون کی طرف آتا ہوں۔ دنیا میں بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں جب بولنا بہت کچھ فائدہ رکھتا ہے۔ بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں جب بولنے کی اہمیت کم ہو جاتی ہے اور عمل کی اہمیت بڑھ جاتی ہے اور بعض اوقات ایسے آتے ہیں جب نہ بولنے سے کام چلتا ہے اور نہ خالی عمل اپنی جگہ کام آتا ہے۔ اُس وقت جہاں تک نتیجہ کا سوال ہوتا ہے صرف خدا ہی کی ذات رہ جاتی ہے جو انسان کے کام آسکے اور جس کی امداد سے کوئی نیک نتیجہ پیدا ہو سکے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قرآن کریم میں اور احادیث میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہمیں متواتر اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے اور خدا تعالیٰ کا قانون بھی دنیا میں یہی ہے کہ انسان کو مناسبِ حال عمل کرنے چاہئیں۔ پس مناسبِ حال عمل کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ایک وقت تو انسان پر ایسا آتا ہے جب وہ سمجھتا ہے کہ عمل ہی خدا تعالیٰ کے فضل کے ماتحت میرے کاموں کو سنوار دے گا مگر دوسرا وقت جیسا کہ مَیں نے ابھی بیان کیا ہے بعض دفعہ ایسا بھی آتا ہے جب انسان عمل تو کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جب خدا نے مجھے کہا ہے کہ عمل کرو تو میرے لئے ضروری ہے کہ مَیں عمل کو ترک نہ کروں۔ لیکن ساتھ ہی وہ سمجھتا ہے کہ حالات اِس قسم کے ہیں کہ میرا عمل کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔ اب جو کچھ کر سکتا ہے خدا ہی کر سکتا ہے۔ یوں عمل اور دعا دونوں وقت ہی ہوتے ہیں۔ اُس وقت بھی عمل اور دعا دونوں اکٹھے ہوتے ہیں۔ جب عام طور پر عمل نتیجہ پیدا کرتا ہے اور اُس وقت بھی دونوں موجود ہوتے ہیں جب صرف دعا ہی نتیجہ پیدا کرتی ہے۔ مگر پہلے وقت میں دعا بطور عبادت کے ہوتی ہے کیونکہ وہ عام حالات میں عمل سے ہی کام کرنے والا ہوتا ہے۔ مثلاً کپڑا سینے والا کپڑا سیتا ہے، جُوتا بنانے والا جُوتا بناتا ہے اور اپنے کام کو شروع کرتے ہوئے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہتا ہے۔ جس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ مَیں خدا کی مدد سے کپڑا سیتا ہوں یا خدا کی مدد سے جُوتا بناتا ہوں یا خدا کی مدد سے تالا بناتا ہوں یا خدا کی مدد سے دروازہ بناتا ہوں یا خدا کی مدد سے عمارت بناتا ہوں۔ غرض ہر مومن مزدور کام کرتے وقت خدا کا نام لیتا ہے مگر

وہاں یہ دعا بطور عبادت ہوتی ہے۔ اصل قانون جو خدا تعالیٰ نے بنایا ہے یہی ہے کہ کام کرو تو نتیجہ نکلے گا۔ پس نتیجہ کام کے بدلہ میں ہوتا ہے اور فضلِ الٰہی دعا کے بدلہ میں ہوتا ہے۔ گویا اس کام کا نتیجہ عمل پیدا کرتا ہے اور اس کام کا ثواب دعا پیدا کرتی ہے لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے جب دعا کے بغیر اور کوئی چارہ ہی نہیں رہتا۔ اُس وقت دعا نتیجہ پیدا کرتی ہے اور کام ثواب پیدا کرتا ہے۔ یعنی وہ ایسا وقت ہوتا ہے جب بظاہر انسانی تدابیر بے کار اور انسانی کوششیں بے فائدہ ہو جاتی ہیں اور انسان اِس بات کو محسوس کرتا ہے کہ اب میری کوششیں مجھے نفع نہیں دے سکتیں۔ اُس وقت وہ کام تو کرتا ہے مگر اس لئے کہ خدا نے کہا ہے کام کرو۔ اور دعا کرتا ہے اس لئے کہ وہ سمجھتا ہے۔ آج دعا کے بغیر کام نہیں ہو گا۔ پس پہلی اور دوسری حالت بظاہر یکساں نظر آتی ہے۔ پہلی حالت میں بھی انسان دعا کرتا ہے اور دوسری حالت میں بھی انسان دعا کرتا ہے۔ پہلی حالت میں بھی انسان عمل کرتا ہے اور دوسری حالت میں بھی انسان عمل کرتا ہے اور بظاہر دونوں حالتیں ایک جیسی معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن حقیقتاً ان میں فرق ہوتا ہے۔ اور وہ فرق یہ ہے کہ پہلی حالت میں اصل نتیجہ عمل پیدا کرتا ہے اور دعا بطور عبادت ہوتی ہے لیکن دوسری حالت میں اصل نتیجہ دعا پیدا کرتی ہے اور عمل بطور عبادت ہوتا ہے۔ وہ عمل اِس لئے نہیں کرتا کہ نتیجہ نکلے بلکہ اِس لئے عمل کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے کہا ہے کہ عمل کرو۔ غرض ایک میں عمل کو اہمیت ہوتی ہے نتیجہ کے لحاظ سے اور دعا کو اہمیت ہوتی ہے ثواب کے لحاظ سے۔ اور دوسری صورت میں عمل کو اہمیت بلحاظ ثواب حاصل ہوتی ہے اور دعا کو اہمیت بلحاظ نتیجہ حاصل ہوتی ہے۔ جو لوگ سچے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں وہ تو ان باتوں کو جانتے ہی ہیں۔ بعض دفعہ ایسے لوگ بھی جو مذہب سے دور جا چکے ہوتے ہیں اس بات کو سمجھ جاتے ہیں کہ اب دعا ہی نتیجہ پیدا کر سکتی ہے عمل کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔

گزشتہ جنگ میں جبکہ مسٹر لائڈ جارج انگلستان کے وزیر اعظم تھے جب لڑائی اپنے آخری مرحلہ پر پہنچی تو حکومتِ جرمنی نے برطانیہ اور فرانس کی صفوں پر آخری حملہ اِتنی شدت سے کیا کہ انگریزی صفیں بالکل ٹوٹ گئیں اور اس طرح ٹوٹیں کہ اُن کی جگہ لینے کے لئے کوئی نئی انگریزی فوج آس پاس باقی نہ رہی۔ کمانڈر انچیف نے مسٹر لائڈ جارج کو جو اُس وقت

وزیرِ اعظم تھے تار دیا کہ حالت سخت نازک ہے، ہماری صفوں میں دراڑ پیدا ہو چکی ہے اور دراڑ بھی معمولی نہیں سات میل کا ایک لمبا علاقہ ہے جس میں ہماری کوئی فوج نہیں۔ جرمن ٹینک اور موٹر اور اُس کے توپ خانہ کے دستے بڑی تیزی سے آگے بڑھتے آ رہے ہیں۔ جس وقت وہ اس حلقہ میں سے گزر گئے انگریزی فوج کے لئے کوئی ٹھکانا نہیں رہے گا۔ اس وقت ہم بے انتہاء مدد کے محتاج ہیں اور انگلستان سے مدد کی درخواست کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر حالات اسی طرح رہتے تو اس تار کے پہنچنے اور پھر مدد آنے تک سب کچھ ختم ہو جاتا مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اس نے حالات کو یکدم بدل دیا۔ جس وقت یہ تار مسٹر لائڈ جارج کو ملا اُس وقت وہ وزارت میں بیٹھے مشورہ کر رہے تھے مگر باوجود اس کے کہ تعلیم یافتہ انگریز عام طور پر مذہب سے کورے ہوتے ہیں اور انہیں خدا تعالیٰ پر کامل یقین نہیں ہوتا۔ جب افسر نے ان کو تار دیا اور انہوں نے وہ تار پڑھی تو وہ فوراً کرسی سے اٹھ کر دوزانو ہو گئے اور انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ دوستو! اب باتیں کرنے کا وقت نہیں، اب کام کرنے کا بھی وقت نہیں، اب دعا کے سوا ہمارے لئے اَور کوئی چارہ نہیں۔ یہ ایک دہریہ صفت انسان کا کام تھا جو اسلام کی نورانی صفات سے بے بہرہ تھا۔ جو اللہ تعالیٰ کے ان نشانات سے جو دعاؤں کی قبولیت کے رنگ میں ظاہر ہوتے ہیں قطعی طور پر ناواقف تھا مگر وہ جانتا تھا کہ اب بہر حال باتیں کام نہیں آسکتیں۔ وہ جانتا تھا کہ اب بہر حال کوششیں کام نہیں دے سکتیں۔ اب کوئی تیسرا رستہ ہونا چاہئے اور وہ تیسرا رستہ سوائے اس رستہ کے جو اللہ تعالیٰ کے انبیاء ہمیشہ سے بتاتے چلے آئے ہیں، اُسے کوئی نظر نہ آیا۔ یعنی دعا اور خدا تعالیٰ کے سامنے التجا۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں ایک مرحلہ انسان پر ایسا بھی آتا ہے۔ جب نہ باتیں کام دیتی ہیں نہ کام کام دیتے ہیں۔ صرف دعا اور اللہ تعالیٰ کے حضور التجا ہی انسان کے کام آتی ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ کام چھوڑ دیا جائے۔ کام اپنے پورے زور سے جاری رکھنا اور عمل کو کسی مقام پر بھی ترک نہ کرنا اللہ تعالیٰ کے احکام میں شامل ہے اور جو شخص اسے چھوڑتا ہے وہ خدا تعالیٰ کی گستاخی کرتا ہے اور گستاخی کی وجہ سے انسان کی دعا ردّ کر دی جاتی ہے، قبول نہیں ہوتی۔

وہ واقعہ جس کا مَیں نے ابھی ذکر کیا ہے اس میں بھی عمل اور دعا دونوں سے کام لیا گیا تھا

مگر نتیجہ دعا نے ہی پیدا کیا، عمل نے نہیں۔ چنانچہ جب انہوں نے سمجھا کہ ہم سوائے دعا کے اَور کچھ نہیں کر سکتے تو خدا تعالیٰ نے بھی ایسے سامان پیدا کئے کہ انگریزوں کی شکست فتح میں بدل گئی۔ انگریزی کمانڈر نے ایک جرنیل کو بلایا اور اسے کہا میرے پاس کوئی فوج نہیں جو تمہیں مدد کے لئے دے سکوں مگر سات میل کا لمبا علاقہ اس وقت بالکل خالی پڑا ہے اور جرمن فوج سے ہمیں سخت خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ مَیں بغیر اس کے کہ تمہیں مدد کے لئے کوئی ساتھی دوں، تم سے امید کرتا ہوں کہ تم اس خطرہ کو دور کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرو گے۔ جاؤ اور کسی طرح اس علاقہ کو محفوظ کرو۔ اس نے انتخاب بھی ایسے جرنیل کا کیا تھا جس کے متعلق وہ جانتا تھا کہ وہ انکار نہیں کرے گا بلکہ کام کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے فوراً کوئی نہ کوئی تدبیر نکال لے گا۔ جب کمانڈر انچیف نے اُسے یہ بات کہی تو اس نے کہا بہت اچھا۔ مَیں یہ کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا جن پر ہر وقت مُردنی چھائی رہتی ہے اور جن کو اگر دس ہزار فوج دے کر بھی کہا جائے کہ سات میل لمبے علاقہ کی حفاظت کرو تو وہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ دس ہزار سے کیا بن سکتا ہے۔ پندرہ بیس ہزار فوج چاہئے۔ وہ جانتا تھا کہ مَیں نے کام کرنا ہے اور مجھے اس کے لئے بہر حال کوئی نہ کوئی صورت پیدا کرنی چاہئے۔ جب کمانڈر انچیف نے اسے کہا کہ اس اس طرح ہم پر مصیبت آپڑی ہے۔ اب کسی طرح اس مصیبت کو دور کرنے کی کوشش کرو تو اس نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے کہ مجھے آپ کوئی فوج تو دے نہیں رہے اور مطالبہ یہ کر رہے ہیں کہ مَیں سات میل لمبے علاقہ کو دشمن سے محفوظ کروں۔ اس نے جواب میں صرف اِتنا کہا بہت اچھا اور یہ کہہ کر اپنی موٹر میں بیٹھا اور تیزی سے دس پندرہ میل پیچھے اس جگہ پہنچا جہاں نانبائی روٹیاں پکاتے، دھوبی کپڑے دھوتے، موچی جُوتوں اور دوسرے چمڑوں کی مرمت کرتے، لوہار اور ترکھان ٹوٹی پھوٹی فوجی اشیاء کو درست کرتے تھے۔ اس نے تمام نانبائیوں، دھوبیوں، موچیوں، لوہاروں، نجّاروں کو جمع کیا اور ان سے کہا کیا تمہارے دلوں میں کبھی یہ خواہش پیدا ہوئی ہے کہ اگر روٹی پکانے کی بجائے ہمیں اگلی صفوں میں اپنی جان قربان کرنے کا موقع ملے تو کیسا اچھا ہو۔ یا کپڑے دھونے کی بجائے اگر ہمیں بھی اگلی صفوں میں شریک ہو کر دشمن سے لڑنے کا موقع ملے تو کیسا اچھا ہو۔

یا بوٹوں کی مرمت کی بجائے اگر ہم بھی اگلی صفوں میں کھڑے ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں تو کیسا اچھا ہو۔ آزاد ممالک میں وفادار لوگ کثرت سے موجود ہوتے ہیں جو اپنے ملک اور اپنی قوم سے محبت رکھتے ہیں اور ان کی حفاظت کرنے کے لئے ہر قربانی کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ جب اُس نے دریافت کیا کہ کیا تمہارے دلوں میں کبھی ایسی خواہش پیدا ہوئی ہے یا نہیں؟ تو سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ ہمارے دلوں میں تو بارہا ایسی خواہش پیدا ہوئی ہے۔ جرنیل نے کہا اگر تمہارے دلوں میں یہ خواہش سچے طور پر پیدا ہوا کرتی ہے تو آج خدا نے تمہاری اِس خواہش کو پورا کرنے کا سامان مہیا کر دیا ہے۔ اِس وقت سات میل کے علاقہ میں ہماری کوئی سپاہ نہیں اور اگر یہی حالت رہی تو دشمن تھوڑی دیر میں ہی ان حالات سے باخبر ہو جائے گا اور وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ کر ہمیں شکست دے دے گا اور ہمارے لئے سوائے اس کے اَور کوئی چارہ نہیں رہے گا کہ ہم میدان سے بھاگ جائیں۔ مَیں تمہاری طرف اِس لئے آیا ہوں کہ اگر تمہارے دلوں میں سچے طور پر یہ خواہش پیدا ہوا کرتی ہے کہ ہمیں اگلی صفوں میں لڑنے کا موقع ملے تو آؤ اور اپنی اس خواہش کو پورا کر لو۔ آج خدا نے تمہارے لئے بھی موقع پیدا کر دیا ہے۔ مَیں تمہارے لئے توپیں نہیں لایا، مَیں تمہارے لئے بندوقیں نہیں لایا، مَیں تمہارے لئے تلواریں یا کوئی اَور ہتھیار نہیں لایا، تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ ہاتھ میں لو اور میرے ساتھ چلو۔ زندہ قوموں کے سارے آدمی ہی زندہ ہوتے ہیں۔ انہوں نے فوراً کہا بہت اچھا۔ ہم چلنے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ باورچیوں نے کفگیر پکڑ لئے، موچیوں نے چمڑا صاف کرنے کی کھرپی لے لی، مزدوروں نے پھاؤڑے لے لئے، کسی کے پاس تلوار اور بندوق بھی ہوتی ہے۔ جس کسی کے پاس تلوار اور بندوق تھی اس نے تلوار اور بندوق لے لی۔ غرض جو بھی چیز کسی کو مہیا ہو سکتی تھی وہ اس نے اٹھائی اور چلنے کے لئے تیار ہو گیا۔ لاکھوں سپاہیوں کے موچی اور دھوبی اور حجام بھی ہزار ہوں ہزار ہوتے ہیں۔ اس نے فوراً لاریوں کا انتظام کر کے ان ہزاروں ہزار آدمیوں کو سات میل کے علاقہ میں لا کھڑا کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ فوج دشمن کو روک نہیں سکتی تھی۔ جہاں جرمنوں نے لڑنے والے سپاہیوں کو تہہ تیغ کر دیا تھا یا اُن کو میدان سے بھگا دیا تھا اور جہاں وہ اتنی شدت سے گولہ باری کر رہے تھے کہ انگریزی تربیت یافتہ فوج

بھی اُن کا مقابلہ نہ کر سکی وہاں باورچی اور دھوبی اور موچی کیا کر سکتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہر ایک کی دعا سنتا ہے۔ اُس وقت جب انگلستان کی وزارت نے اس بات کا اقرار کیا کہ اے خدا! باوجود ایک بڑی طاقت ہونے اور نصف کرّہ پر حکمران ہونے کے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہماری طاقت تیرے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ جو کچھ کر سکتا ہے تُو کر سکتا ہے، ہم نہیں کر سکتے۔ تو خدا تعالیٰ نے بھی یہ بات ظاہر کرنے کے لئے کہ خدا میں بڑی طاقت ہے ان کی دعا کو قبول کر کے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ جن کے نتیجہ میں انگریزوں کی حالت بالکل بدل گئی۔ جب یہ فوج اپنے پھاوڑے اور کُھرپیاں اور کفگیریں لے کر میدان میں کھڑی ہو گئی تو جرمن فوج کو دھوکا لگ گیا۔ جرمن فوج یہ خیال بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اس کے مقابلہ میں باورچی، دھوبی اور موچی کھڑے ہیں۔ اس کے افسروں نے سمجھا کہ برطانوی فوج جو مار کھا کے پیچھے ہٹ گئی تھی اس کی جگہ کوئی تازہ دم فوج آ گئی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جرمن فوج نے فوری طور پر آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کر دیا اور کوشش کی کہ وہ نئے سرے سے اپنے انتظامات کو درست کر لے تا کہ مقابلہ کرنے میں آسانی ہو۔ اِتنی دیر میں سو سو دو دو سو میل پر جو انگریزی فوجیں متعیّن تھیں وہ حالات سے اطلاع پا کر وہاں آنی شروع ہو گئیں اور چوبیس گھنٹوں میں ایک تازہ دم فوج جرمنوں کے مقابلہ کے لئے میدان میں کھڑی ہو گئی۔ چنانچہ جب جرمن فوج نے حملہ کیا تو اُس نے باورچیوں اور دھوبیوں اور موچیوں پر حملہ نہیں کیا بلکہ ایک تازہ دم فوج پر حملہ کیا جو سو سو دو دو سو میل سے جمع کر لی گئی تھی اور اس طرح حالات بالکل پلٹ گئے۔ جرمن فوج شکست کھا کر بالکل پیچھے ہٹ گئی اور اللہ تعالیٰ نے طاقت اور قدرت کا ایک نمونہ دنیا کو دکھا دیا۔ غرض یہ چیز دنیا کے تجربہ میں متواتر آئی ہے کہ کبھی دنیا میں باتوں سے کام چلتا ہے اور ضرورت ہوتی ہے کہ دوسرے کو سمجھایا جائے۔ کبھی باتوں کی بجائے عمل سے کام ہوتا ہے۔ باتیں بہت ہو جاتی ہیں اور ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ عملی رنگ میں کام کیا جائے۔ لیکن ایک وقت انسان پر ایسا بھی آتا ہے کہ جب نہ باتیں کام دیتی ہیں، نہ کام، کام دیتا ہے مثلاً دشمن اچانک حملہ کر دیتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی تیاری نہیں ہوتی یا تیاری ہوتی ہے مگر نہایت ناقص ہوتی ہے اُس وقت سوائے خدا کے فضل اور رحم کے انسان کی نجات کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔

مَیں سمجھتا ہوں آج ہندوستان میں بھی اور باقی دنیا کے مسلمانوں کے لئے بھی وہی وقت آ گیا ہے جس میں باتیں کام نہیں دیتیں۔ کام، کام نہیں دیتے بلکہ صرف دعا اور اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ التجا ہی کوئی نتیجہ پیدا کر سکتی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جیسا کہ مَیں نے پہلے بھی کہا ہے کام بہر حال جاری رکھنا چاہیئے کیونکہ کام نہ کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو اَور بھی بھڑکا دیتا ہے۔ لیکن کام کرنے کے ساتھ ہی دلوں میں یہ یقین ہونا چاہیئے کہ گو ہم کام کرتے ہیں اور اس لئے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم کام کرو مگر ساتھ ہی ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ یہ کام خدا کی مدد اور نصرت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ آجکل کے فسادات کے متعلق جو تاریں اخباروں میں چھپ رہی ہیں وہ گورنمنٹ کے انتظام کے ماتحت چھپتی ہیں اور ان میں مصلحتاً واقعات پر بہت حد تک پردہ رکھا جاتا ہے لیکن جو اطلاعیں ہمیں پرائیویٹ طور پر اپنی جماعت کے افراد کی طرف سے آ رہی ہیں وہ نہایت تشویشناک ہیں اور ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے ایک حصہ میں آج مسلمان کو انتہائی بے دردی کے ساتھ قتل کیا جا رہا ہے۔ کل ہی مجھے ایک تار ملی ہے۔ معلوم نہیں وہ یہاں پہنچی کس طرح؟ انگریزی میں ایک محاورہ ہے۔ ایس او ایس [1] جس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ جب کوئی جہاز سمندر میں ڈوبنے لگتا ہے تو برقی ذریعہ سے وہ تار دیتا ہے کہ اب ہم ڈوب رہے ہیں اگر تم ہماری کوئی مدد کر کے ہمیں بچا سکتے ہو تو بچا لو ورنہ یہ ہماری آخری صدا سمجھو جس کے بعد ہماری طرف سے تمہیں کوئی خبر نہیں پہنچ سکے گی۔ اِسی قسم کی تار کل ایک جگہ کے امیر جماعت اور ایک سابق پروفیسر کی طرف سے آئی ہے اور اس میں یہی فقرہ درج ہے کہ ہم یہ تار اپنی بے بسی کی آخری اطلاع کے طور پر دے رہے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی طاقت نہیں جس سے ہم ان کی مدد کر سکیں۔ سوائے اِس کے کہ خدا تعالیٰ سے دعا کریں اور اس سے عاجزانہ طور پر مدد چاہیں کیونکہ انسانی حیلے اور تدبیریں ایسی دیوانگی کے اوقات میں کام نہیں آیا کرتیں۔ آخر اقلیتیں، اقلیتیں ہی ہوتی ہیں اور اکثریتیں، اکثریتیں ہی ہوتی ہیں۔ جب اکثریتوں کے دل بدل جائیں اور جب وہ انتقامی جذبہ سے بھڑک اُٹھیں تو اُس وقت اقلیتیں سوائے اِس کے کہ وہ زیادہ منظّم ہو جائیں، سوائے اِس کے کہ وہ زیادہ طاقتور بننے کی کوشش کریں، سوائے اس کے کہ وہ اپنی اقتصادی حالت

کو درست کریں، سوائے اس کے کہ وہ علمی ترقی کی طرف قدم اٹھائیں۔ سوائے اس کے کہ وہ اپنی تعداد کو بڑھائیں اَور کوئی ذریعہ اپنے بچاؤ کا اختیار نہیں کر سکتیں۔ مگر مسلمانوں نے نہ کبھی اقتصادی حالت درست کرنے کی کوشش کی ہے نہ کبھی علمی ترقی کے لئے کوشش کی ہے۔ غرض ترقی کے لئے انہوں نے کبھی جدوجہد کی ہے اور نہ اپنے اندر تنظیم پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ اس سے بھی زیادہ کمزور ہیں جیسے بھیڑ اور بکریاں۔ وہ دعوے تو خوب کرتے ہیں اور بڑے بلند بانگ کرتے ہیں مگر حقیقتاً مسلمانوں سے زیادہ بیکس اَور کوئی نہیں۔ اور ان کے دعوے ان کے لئے اَور بھی زیادہ لعنت کا موجب بن رہے ہیں۔ ایسے وقت میں جبکہ مسلمان اَور اقوام کے مقابلہ میں بالکل کمزور اور بے بس ہیں انسانی تدابیر پر بھروسہ کرنا اور انہی کو اپنے لئے کافی سمجھنا بالکل غلط ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جہاں جہاں مصیبت آئی ہے وہاں کے مسلمان اپنے بچاؤ کے لئے تدبیریں بھی کرتے ہوں گے۔ کبھی کہتے ہوں گے ہم یہاں سے بھاگ جائیں، کبھی کہتے ہوں گے ہم اکٹھے ہو جائیں اور مل کر دشمن کا مقابلہ کریں۔ مگر حقیقی علاج یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں کی جائیں کہ وہ اپنے فضل سے ایسی صورت پیدا کرے کہ مسلمانوں کے لئے بچاؤ کا راستہ نکل آئے۔

مَیں سمجھتا ہوں اس فساد کی ذمہ داری ایک حد تک مسلمانوں پر بھی عائد ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ تمام فسادات جو ہندوستان میں ہو رہے ہیں ان کی بنیاد خود ہندوؤں سے ہوئی اور ہندو علاقوں سے ہوئی ہے۔ مجھے تعجب آتا ہے کہ گاندھی جی اور دوسرے ہندو لیڈر برابر یہ کہتے چلے جاتے ہیں کہ مسلمانوں کی طرف سے فساد کی ابتدا ہوئی ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ سب سے پہلے احمد آباد اور الٰہ آباد میں فساد ہوا ہے اور احمد آباد اور الٰہ آباد میں مسلمان اتنے کم ہیں کہ انہیں فساد شروع کرنے کی جرأت ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہاں ہندو ہی ہندو آباد ہیں اور مسلمان کسی صورت میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے یہ خیال کہ احمد آباد اور الٰہ آباد میں مسلمانوں کی طرف سے فساد کی ابتدا ہوئی ہے عقلی لحاظ سے بالکل غلط ہے۔ اس کے بعد دوسرے مقامات پر فساد ہوئے ہیں مگر بہر حال مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اگر احمد آباد اور الٰہ آباد میں مسلمان مارے گئے تھے تو انہیں سمجھ لینا چاہئے تھا کہ وہ تھوڑے ہیں

اور تھوڑے ہونے کی ذمہ داری کسی اَور پر نہیں اُنہی پر عائد ہوتی ہے۔ ان کو سمجھ لینا چاہئے تھا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں تنظیم نہیں اور تنظیم نہ ہونے کی ذمہ داری انہی پر عائد ہوتی ہے۔ ان کو سمجھ لینا چاہئے تھا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں کافی تعلیم نہیں اور تعلیم نہ ہونے کی ذمہ داری انہی پر عائد ہوتی ہے۔ ان کو سمجھ لینا چاہئے تھا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی اقتصادی حالت درست نہیں اور اقتصادی حالت درست نہ ہونے کی ذمہ داری انہی پر عائد ہوتی ہے۔ ان کو سمجھ لینا چاہئے تھا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی صنعتی حالت درست نہیں اور صنعتی حالت درست نہ ہونے کی ذمہ داری انہی پر عائد ہوتی ہے۔ جب ساری کمزوریاں ان میں پائی جاتی تھیں، جب وہ ہر لحاظ سے ناطاقت اور کمزور تھے تو کیا یہ حماقت کی بات نہیں کہ انہوں نے نواکھلی میں ہندوؤں کو مارنا شروع کر دیا۔ قطع نظر اِس بات کے کہ احمد آباد اور بمبئی اور الٰہ آباد میں ہندوؤں نے مسلمانوں کو مارا ہے اور یقیناً ظلم سے کام لیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہندو اگر ظالمانہ فعل کریں تو اس سے مسلمانوں کو حق حاصل ہو جاتا ہے کہ جہاں وہ زیادہ ہوں وہاں ہندوؤں کو مارنا شروع کر دیں۔ یہ اتنی ظالمانہ بات ہے کہ کوئی شریف انسان اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ پھر ہر انسان کو خدا تعالیٰ نے عقل دی ہے۔ انہیں عقلاً سوچنا چاہئے تھا کہ کیا ہم جو کچھ کر رہے ہیں عقل اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیتی ہے۔ مذہباً تو یہ جائز ہی نہیں تھا۔ عقلاً ہی انہیں سوچنا چاہئے تھا کہ کیا الٰہ آباد اور احمد آباد اور بمبئی کے مظالم کا یہ جواب ہو سکتا تھا کہ نواکھلی میں ہندوؤں کو مارا جاتا؟ کیا نواکھلی[2] میں ہی ہندو بستے تھے؟ کسی اَور علاقہ میں ہندو نہیں رہتے تھے؟ اگر ہندو سارے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں تو وہ کس طرح سمجھ سکتے تھے کہ نواکھلی میں ہندوؤں کو مار کر وہ اَور علاقوں میں ہندوؤں کے حملوں سے محفوظ ہو جائیں گے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابتداء ہندوؤں کی طرف سے ہوئی ہے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ اِس کی ذمہ داری اُن ہندو لیڈروں پر بھی ہے جو ابتداء میں جب ہندوؤں کی طرف سے فسادات ہو رہے تھے بالکل خاموش رہے۔ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کی ذمہ داری انگریزی حکام پر بھی ہے جو کلکتہ کے فسادات پر تو بولے مگر احمد آباد اور الٰہ آباد اور بمبئی کے فسادات پر خاموش رہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کی ذمہ داری پریس پر بھی ہے جس نے خبروں کو غلط طور

پر شائع کیا۔ یعنی جو خبریں مسلمانوں کی تائید میں تھیں ان کو دبایا اور جو خبریں مسلمانوں کے خلاف تھیں ان کو نمایاں طور پر شائع کیا۔ مگر باوجود یہ ساری باتیں مان لینے کے یہ کیونکر جائز ہو گیا کہ وہ طریق اختیار کیا جاتا جو عقلاً بھی مسلمانوں کے لئے مُضِر ہے اور عقیدۃً بھی قرآن کریم کے خلاف ہے۔ دو ہی وجوہ سے کوئی کام کیا جاتا ہے یا اِس وجہ سے کہ عقل اس کا تقاضا کرتی ہے یا اس وجہ سے کہ مذہب اس کے ماننے پر مجبور کرتا ہے۔ اگر مسلمان قرآن کریم کو مانتے تو کیا قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ اگر کسی جگہ کے ہندو مسلمانوں کو ماریں تو تم دوسری جگہ ہندوؤں کو مارنا شروع کر دو؟ اور اگر وہ قرآن کو نہیں مانتے محض دکھاوے کے لئے اس پر اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں تو کیا عقل اس بات کی تائید کرتی ہے کہ اقلیت ایک جگہ کا بدلہ لینے کے لئے دوسری جگہ مار دھاڑ شروع کر دے؟ لازماً جب مار دھاڑ شروع ہو گی اکثریت ہی جیتے گی، اقلیت نہیں جیت سکتی۔ جب تین ہندو ایک طرف ہیں اور ایک مسلمان ایک طرف تو مسلمان یہ خیال بھی کس طرح کر سکتے ہیں کہ ہندوؤں کے مقابلہ میں وہ جیت جائیں گے۔ لازماً جب بھی مقابلہ ہو گا ایک ہارے گا اور تین جیتیں گے۔ اور پھر ایک بھی ایسا جس کے اندر نہ تنظیم ہو نہ طاقت، جس کے پاس نہ دولت ہو نہ علم۔ وہ بھلا جیت ہی کہاں سکتا ہے؟ پس اگر مسلمان قرآن کو بھول گئے تھے تو کم سے کم انہیں عقل سے تو کام لینا چاہئے تھا اور سمجھ لینا چاہئے تھا کہ ایک مسلمان تین ہندوؤں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمانوں نے نہ قرآن کریم کے مطابق کام کیا اور نہ عقل کے مطابق کام کیا۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر یہ بات ہے تو تمہیں مسلمانوں کے دکھ پر دُکھ کیوں ہوتا ہے اور تم ان کی تکلیف پر کُڑھتے کیوں ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مَیں صرف مسلمانوں کے لئے نہیں کُڑھتا۔ مَیں اپنے ملک کے لئے کُڑھتا ہوں، مَیں اپنے ملک کی ہر قوم کے لئے کُڑھتا ہوں، مَیں اسی طرح مسلمانوں کے لئے کُڑھتا ہوں جس طرح ہندو قوم کے لئے کُڑھ رہا ہوں۔ کیونکہ اگر مسلمان مارے جائیں تو یقیناً ہندو قوم بھی دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتی۔ پس میرا دل دکھتا ہے اس لئے نہیں کہ مسلمان مارے جا رہے ہیں، اس لئے نہیں کہ ہندو مارے جا رہے ہیں بلکہ اس لئے کہ اگر یہی طریق جاری رہا تو ہندو بھی اور مسلمان بھی اور ساتھ ہی ہندوستان

بھی سارے کے سارے ڈوب جائیں گے۔ اور دنیا کی نگاہ میں اس ملک کی کوئی عزت باقی نہیں رہے گی۔ پس باوجود اس کے کہ ہندوؤں سے غلطیاں ہو رہی ہیں اور باوجود اس کے کہ مسلمانوں سے غلطیاں ہوئیں میرا دل کُڑھتا اور ان کی مصیبت پر غمناک ہوتا ہے۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ جاؤ اور مرو کیونکہ جب تم نے قصور کیا تو اَب تم اس قصور کی سزا بھی بُھگتو۔ کیونکہ دنیا میں کوئی شخص اپنے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنی بیوی یا اپنے دوست کو تکلیف میں مبتلا دیکھ کر یہ نہیں کہتا کہ جاؤ اور مرو بلکہ باوجود ان کی غلطی اور ان کے گناہ کے ان سے ہمدردی رکھتا ہے۔ پھر جب دنیا میں اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور اپنی بیویوں اور اپنے دوستوں اور اپنے رشتہ داروں سے ان کی غلطی کے باوجود ہمدردی رکھی جاتی ہے تو مَیں کیوں ہندوؤں اور مسلمانوں سے ہمدردی نہ کروں۔ میری ہمدردی تب غلط ہو جب مَیں انہیں جرم کے لئے اکساؤں اور کہوں۔ اے ہندوؤ! مسلمانوں کو مارو۔ یا کہوں اے مسلمانو! ہندوؤں کو مارو۔ مَیں ایسا کرتا تو بے شک میری ہمدردی غلط اور ناجائز ہوتی۔ کیونکہ میری ہمدردی گناہ کی تائید میں ہوتی۔ پس مَیں اس بات پر غمگین نہیں کہ ہندوؤں نے کیوں مسلمانوں کو پوری طرح نہیں مارا یا کیوں مسلمانوں نے ہندوؤں کو پوری طرح نہیں مارا بلکہ مجھے اس بات کا غم ہے کہ خدا کے وہ بندے جن سے مجھے انسانیت کے لحاظ سے اشتراک حاصل ہے، جن سے مجھے وطن کا اشتراک ہے، جن سے مجھے بھائی بھائی ہونے کے لحاظ سے اشتراک ہے وہ انسانیت کو بھول گئے ہیں۔ وہ خدا کو بھول گئے ہیں۔ وہ مذہب کو بھول گئے ہیں۔ اور وہ کام جو خدا نے میرے سپرد کیا ہے کہ مَیں پھر انسانوں کو ان کی انسانیت یاد دلاؤں، پھر انہیں خدا کی طرف واپس لاؤں اور زیادہ سے زیادہ مشکل ہوتا چلا جارہا ہے۔ پھر مجھے اس لحاظ سے بھی ہمدردی ہے کہ جب فسادات ہوتے ہیں تو لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ فلاں شخص کس فرقہ سے تعلق رکھتا ہے بلکہ وہ بلا امتیاز ایک دوسرے کو مارتے چلے جاتے ہیں اور اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ کوئی شیعہ ہے یا سنّی، احمدی ہے یا غیر احمدی۔ پس اگر ہندو مسلمانوں کی لڑائی ہو تو احمدی بھی جو ناکردہ گناہ ہوتے ہیں باوجود دونوں فریق سے ہمدردی رکھنے کے مفت میں پِس جاتے ہیں جس طرح گیہوں کے ساتھ گُھن پِس جاتا ہے۔ پس مجھے ہمدردی ہے مسلمانوں سے اس لئے کہ جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے ہر شخص اپنے بھائی اور

اپنے رشتہ دار سے اس کی غلطی کے باوجود ہمدردی رکھتا ہے۔ بے شک مجھے ان کے فعل سے ہمدردی نہیں مگر مجھے ان کی ذات سے ہمدردی ہے۔ اِسی طرح مجھے ہندوؤں کے فعل سے ہمدردی نہیں بلکہ ان کی ذات سے ہمدردی ہے۔ جب ہندوؤں نے احمد آباد اور الٰہ آباد اور بمبئی میں مسلمانوں کو مارا تو یقیناً انہوں نے ظلم کیا اور اب جبکہ ہندو بھاگلپور اور پٹنہ اور چمپارن 3 اور آگرہ اور گیا 4 اور بنارس اور دوسرے مقامات پر مسلمانوں کو مار رہے ہیں وہ یقیناً سخت ظلم کا ارتکاب کر رہے ہیں اور مجھے ان کے فعل سے کوئی ہمدردی نہیں۔ اِسی طرح مجھے ان مسلمانوں کے فعل سے کوئی ہمدردی نہیں جنہوں نے نوا کھلی میں ہندوؤں کو مارنا شروع کر دیا تھا۔ مگر مجھے ان ہندوستانیوں سے ہمدردی ہے جنہوں نے خدا کو بُھلا دیا، جنہوں نے مذہب کو بُھلا دیا، جنہوں نے انسانیت کو بُھلا دیا۔ مجھے ان کے افعال سے ہمدردی نہیں مگر ان کی ذات سے ہمدردی ہے کیونکہ مَیں سمجھتا ہوں یہ باتیں اسلام اور انسانیت کو سخت بدنام کرنے والی ہیں۔ اسی طرح ہندو خواہ اسلام کی تعلیم سے ناواقف ہوں وہ انسانیت کا جامہ پہنے ہوئے ہیں اور وہ ان فرائض کو سمجھتے ہیں جو انسانیت کے لحاظ سے ان پر عائد ہوتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ نہ ہندو قوم کے لیڈر اور نہ عوام الناس اور نہ مسلمان قوم کے بعض لیڈر اس طرف متوجہ ہوئے ہیں کہ وہ اپنی قوم کو ملامت کریں اور اُنہیں ان ظالمانہ افعال سے مجتنب رہنے کی تعلیم دیں۔ مسلمانوں میں سے تو بعض نے بڑی دلیری اور ہمت سے اپنی قوم کو ملامت کی ہے مگر ہندو لیڈروں نے اپنی قوم کو ملامت نہیں کی۔ حالانکہ مسلمانوں کا جُرم ہندوؤں کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ مسلمانوں کا جرم یہی ہے کہ انہوں نے کمزور ہوتے ہوئے زبردست کا مقابلہ کیوں کیا اور کیوں اتنی عقل سے کام نہ لیا کہ جب وہ اقلیت میں ہیں تو اکثریت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

بہرحال یہ وقت ایسا ہے جس میں ہماری جماعت کو بھی اور دوسرے مسلمانوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنی چاہئے اور اس سے دعائیں کرنی چاہئیں کہ وہ اِن نازک حالات میں مسلمانوں کی حفاظت فرمائے اور ان کے بچاؤ کا کوئی راستہ پیدا کر دے۔ اب وہ کھیل کُود کا زمانہ نہیں رہا۔ جب چند لاکھ انگریز ہندوستان پر حکومت کر رہا تھا۔ اور ہر قوم اسے اس طرح چھیڑتی تھی جس طرح ایک اجنبی راہگیر کو دیکھ کر بچے اسے اپنے مذاق کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔ کوئی اس کی

چدر کو کھینچتا ہے اور کوئی اس کے پاجامہ پر ہنسی اڑاتا ہے۔ اب ہندوستان میں انگریزی حکومت نہیں بلکہ ہندوستانیوں کی اپنی حکومت قائم کی جارہی ہے۔ گو پورے طور پر ابھی قائم نہیں ہوئی۔ اس لئے اس وقت کی باہمی چھیڑ چھاڑ معمولی نہیں ہو سکتی۔ انگریزوں کے وقت جو چھیڑ چھاڑ تھی وہ بہت محدود تھی اور چند لاکھ کے خلاف چھیڑ چھاڑ تھی۔ مگر اب یہ چھیڑ چھاڑ چند لاکھ کے خلاف نہیں بلکہ کروڑوں ایک طرف ہیں اور کروڑوں کروڑ ایک طرف۔ اس لئے اگر بر وقت انسداد نہ کیا گیا تو یہ لڑائی شہروں تک محدود نہیں رہ سکتی بلکہ خطرہ ہے کہ اب وہ ہر قصبہ، ہر گاؤں، ہر محلہ اور ہر گلی میں نہ پہنچ جائے اور اس طرح کسی جگہ کی چھیڑ چھاڑ محدود نہیں رہ سکتی۔

اس مضمون کے بہت سے پہلو ایسے بھی ہیں جو مزید توجہ چاہتے ہیں مگر مَیں اس خطبہ کو محدود رکھنا چاہتا ہوں۔ اس لئے صرف اتنی بات پر ہی مَیں یہ خطبہ ختم کرتا ہوں کہ یہ وقت مسلمانوں کے لئے نہایت ہی نازک ہے۔ ہمیں خدا تعالیٰ سے خاص طور پر دعائیں کرنی چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی پرانی غفلتیں معاف کرے، انہیں قرآن کریم کے احکام کے مطابق چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور وہ کینہ اور کپٹ 5 اور دین سے نفرت اور محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن کریم کی پیشگوئیوں سے استغناء جو اُن کے اندر پایا جاتا ہے، اسے دور کرے۔ اور انہیں اسلام پر صحیح طور پر چلنے کی توفیق عطا کرے تاکہ ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل وہ نہ ہو جو سپین میں ہوا۔ بلکہ ہندوستان اسلام کے بڑھنے اور پھلنے اور پھولنے کے لئے ایک گلشن اور چمن ثابت ہو اور اسلام اِس ملک میں زیادہ سے زیادہ ترقی کرے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے یہی امید رکھتے ہیں کہ ایسا ہی ہو گا اور ہندوستان اسلام کی ترقی اور اس کی نشأۃ ثانیہ میں بہت بڑا حصہ لینے والا ثابت ہو گا کیونکہ حضرت مسیح موعود کا الہام ہے " رسول اللہ ﷺ پناہ گزیں ہوئے قلعہ ہند میں۔" 6　　(الفضل 25 نومبر 1946ء)

1: ایس او ایس (S.O.S): اچانک مدد حاصل کرنے والا لاسلکی نظام (یعنی وائرلیس)

2: نواکھلی (Noakhali) موجودہ بنگلہ دیش میں چٹاگانگ ڈویژن کا ایک شہر۔
آبادی تقریباً 30,72,000

3: چمپارن (Champaran) ہندوستان کے صوبہ بہار میں واقع ایک تاریخی علاقہ۔

1886ء میں چمپارن کو ضلع کا درجہ دیا گیا۔ 1971ء میں اس کو دو اضلاع میں تقسیم کر دیا گیا۔ پشم چمپارن اور پر لی چمپارن۔

4: گیا: (Gaya) ہندوستان میں صوبہ بہار کا دوسرا بڑا شہر جو پٹنہ سے 100 کلو میٹر کے فاصلہ پر دریائے فلگو پر واقع ہے۔ اس کی آبادی تقریباً 4,63,454 ہے۔

5: کپٹ: دشمنی۔ عداوت

6: تذکرہ صفحہ 485۔ ایڈیشن چہارم